بابا خیال محمد صاحب کی یادیں

(۱۔ ڈاکٹر محمد سفیر صاحب، ایسوسیئیٹ پروفیسر میڈیسن، کبیر میڈیکل کالج، پشاور)
(۲۔ محمد مدثر خان، پی ایچ ڈی سکالر، ملائیشیا)

۱۔

بندہ کی حضرت خیال محمد بابا جی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ پہلی ملاقات ۱۹۹۳ء میں ہوئی جبکہ بندہ خیبر میڈیکل کالج میں ایم بی بی ایس سال دوئم کا طالب علم تھا۔ یہ ملاقات مسجد فردوس پشاور یونیورسٹی میں ہوئی جب بندہ اشراق کے وقت اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات کے لئے گیا ہوا تھا۔ حضرت اشراق کی نماز میں مشغول تھے، بندہ ان کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک قد آور شخصیت، پروقار سفید چہرہ، سر پر پگڑی باندھے مسجد میں تشریف لائے۔ اس وقت مسجد صرف ہم تین افراد تھے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے جب نماز مکمل فرمالی تو خیال محمد بابا جیؒ ان سے محوِ گفتگو ہوگئے، اچانک بندہ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ لڑکا کون ہے؟ حضرت ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ یہ ہمارا نیا مرغا ہے۔ اس پر بابا جیؒ بندہ سے مخاطب ہوئے اور اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی صف پر مار کر اپنی طرف کھینچی اور پوچھا: ''اس کا مطلب سمجھتے ہو؟'' بندہ نے نفی میں جواب دیا۔ حضرت بابا جیؒ نے فرمایا: ''اس کا مطلب یہ ہے کہ ریل گاڑی کا ایک انجن ہوتا ہے اور اس کے پیچھے ڈبے لگے ہوتے ہیں، تمہارا ڈبہ بھی مضبوط انجن کے ساتھ لگ گیا ہے، جہاں انجن جائے گا وہاں ڈبہ بھی جائے گا۔'' پھر فرمایا: ''جا بابا، مزے کر!'' اور دوبارہ حضرت ڈاکٹر صاحب کے ساتھ محوِ گفتگو ہوگئے۔

بندہ پر اپنے شیخ و مربی جناب حضرت ڈاکٹر صاحب کے ان گنت احسانات ہیں، بندہ ان احسانات میں سرتاپا ڈوبا ہوا ہے اور اس کا استحضار ہر وقت دل میں رہتا ہے کہ بندہ ذاتی طور پر ہر لحاظ سے جتنا آسودہ ہے وہ حضرت ڈاکٹر صاحب کے احسانات اور نظرِ کرم سے ہے اور سلسلہ کے

پرانے ساتھی اس کے عینی شاہد ہیں۔انہی میں سے ایک احسان بندہ پر یہ بھی ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب کے کہنے پر حضرت باباجیؒ کی زندگی کے آخری تین چار سالوں میں وقتاً فوقتاً ان کے علاج کی خدمت کا موقع ملتا رہا، اگرچہ آخر وقت تک ان کے بنیادی معالج ڈاکٹر فہیم شاہ صاحب ہی رہے۔ جب تک ان کی صحت ٹھیک تھی تو معائنہ کے لئے خود تشریف لے آتے تھے اور جب طبیعت ناساز ہوتی تو ٹیلیفون کر کے بندہ کو بلوا لیتے تھے۔

قریباً ڈھائی سال پہلے کی بات ہے، دسمبر کا مہینہ تھا، باباجی کا ٹیلیفون آیا کہ کلینک سے فارغ ہو کر معائنہ کے لئے آجائیں اور ساتھ اپنے گھر والوں کو بھی لے آئیں۔اسی دن بندہ کا نو بیاہتا سالا اپنی دلہن سمیت ہمارے ہاں آیا تھا۔ بندہ نے پوچھا کہ میرے ساتھ دو مہمان اور بھی ہیں تو انھوں نے فرمایا کہ ان کو بھی ساتھ لے آؤ۔ بندہ فارغ ہوتے ہی سب کو لے کر ان کے گھر پہنچ گیا۔حضرت ڈاکٹر صاحب سے بارہا سن رکھا تھا کہ باباجیؒ تکوینی ترتیب کے بزرگ ہیں اور بہت کامل شخصیت ہیں، بندہ نے اپنی گھر والی اور مہمان کو بتایا کہ وہاں کوئی ایسی حرکت نہیں کرنی جس سے باباجیؒ کی دل آزاری ہو جائے اور دل میں یہ نیت کر لیں کہ ان کی جو خدمت ہو سکی کر لیں گے اور ان سے دعا لیں گے۔

حضرت خیال محمد صاحبؒ نے ہم سب کو اپنے ذاتی کمرے میں بلا لیا، ایک پلنگ پر باباجی آرام فرما رہے تھے، دوسرے پلنگ پر انھوں نے ہم سب کو بیٹھنے کی تلقین فرمائی اور بندہ کو اپنے پلنگ پر اپنے قریب بیٹھنے کا حکم فرمایا۔مجلس کی نوعیت ایسی تھی گویا سال ہا سال سے باباجیؒ سب کو جانتے ہوں، ہر ایک کے ساتھ فرداً فرداً گفتگو فرماتے رہے اور حضرت ڈاکٹر صاحب کا بھی مسلسل ذکرِ خیر فرماتے رہے۔اس دوران چائے آ گئی۔ باباجیؒ نے بندہ سے فرمایا کہ ہر ایک کے سامنے چائے کا ایک ایک کپ رکھیں اور ساتھ کھانے پینے کی جو چیزیں بھی ہیں سب ختم کریں۔ پھر باباجیؒ میرے سالے کی دلہن سے مخاطب ہوئے اور پوچھا: ''بیٹی تمہارا نام کیا ہے؟'' اس نے اپنا نام بتایا تو باباجیؒ

نے بڑے درد بھرے انداز میں فرمایا: ''بیٹی نماز کبھی مت چھوڑو، ہمیشہ پابندی سے پڑھو۔'' محترمہ نے سر جھکا کر شرمندگی سے کہا کہ جی اچھا۔ بندہ کو بڑی حیرت ہوئی اور بعد میں تحقیق کی تو پتا چلا کہ واقعی وہ محترمہ نماز میں انتہائی سستی کرتی تھی بلکہ تارکِ صلوٰۃ تھی۔ اس دن کے بعد سے محترمہ نماز کی پابند ہو گئیں۔ خود محترمہ کو بھی حیرت ہوئی کہ باباجیؒ کو اس بات کا کیسے پتا چلا۔

اس کے بعد بندہ کی گھر والی سے مخاطب ہوئے اور نام پوچھا، پھر فرمایا: ''آپ کے دل کی سب سے بڑی خواہش یہی ہے نا کہ میرا ذاتی گھر کب بنے گا اور ہر وقت اسی کی دُھن سوار رہتی ہے؟'' اس پر بندہ کی گھر والی نے کہا: ''ہاں یہ میری بہت بڑی خواہش ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کو سفیر نے ہی بتایا ہو۔'' باباجیؒ نے فرمایا کہ اس نے مجھ سے کبھی نہیں کہا۔ پھر فرمایا: ''اس بات کی فکر نہ کرو، اللہ بہت جلد امید سے بڑھ کر اچھا گھر دے گا، اس لئے زیادہ پریشانی کی ضرورت نہیں ہے۔'' پھر بندہ کی گھر والی نے باباجیؒ سے بندہ کے بارے میں کچھ شکایتیں کیں جن میں ایک شکایت یہ بھی تھی کہ مجھے ہر مہینے جیب خرچ نہیں دیتا۔ اس پر باباجیؒ نے اپنی اہلیہ مبارکہ کے کچھ حالات میری گھر والی کو سنائے کہ کس طرح انھوں نے باباجیؒ کا ساتھ دیا۔ پھر بندہ سے فرمایا کہ میں اپنے کم وسائل کے باوجود ماہانہ کچھ رقم اپنی گھر والی کو دیا کرتا تھا اور حکماً فرمایا کہ ہر ماہ کچھ رقم اپنی گھر والی کو دیا کریں۔ بندہ نے کہا کہ ٹھیک ہے (اگرچہ بندہ ہر مہینے پیسے دیتا تھا) کچھ اور باتیں بھی ہوئیں، پھر باباجیؒ کی نظر چائے کے سامان پر پڑی، ایک پیالی میں چائے اسی طرح پڑی ہوئی تھی، انھوں نے پوچھا کہ یہ کس کی ہے اور کیوں نہیں پی۔ اس پیالی کی چائے ٹھنڈی ہوگئی تھی، بندہ نے فرمایا کہ یہ پیالی میری ہے، میں ابھی اس کو ختم کرتا ہوں۔ باباجیؒ کا وقت بچانے کی خاطر بندہ نے وہ چائے جلدی سے پی لی۔ باقی پیالیوں میں جو تھوڑی بہت چائے بچی ہوئی تھی اس کا انھوں نے پوچھا کہ یہ چائے کیوں چھوڑی ہے، یہ ساری بچی ہوئی چائے ایک کپ میں ڈالو اور کھانے کا جو سامان بچا ہے وہ بھی ایک پلیٹ میں ڈالو اور سفیر کو دو، پھر مجھے حکم فرمایا کہ آپ یہ سارا ختم کریں۔ بندہ کو یقین تھا کہ اللہ والوں کے

عطا کردہ خوردہ میں نور ہی نور ہوتا ہے لہٰذا دلی خوشی کے ساتھ چائے بھی ختم کر لی اور بچے ہوئے کیک، بسکٹ بھی کھا لئے۔ اس پر باباجیؒ نے فرمایا: ''اس کھانے کی برکت سے باطن کی صفائی ہو گی اور کبر ٹوٹ جائے گا۔'' اس کے بعد رزق کی قدر کرنے کی تاکید فرمائی۔ پھر فرمایا کہ آپ میرا معائنہ کریں، دوائی لکھیں اور پھر آپ کو رخصت کرتے ہیں۔ آخر میں باباجیؒ نے اجتماعی دعا فرمائی اور یوں ایک گھنٹے سے زیادہ دورانیہ کی یہ پُر رونق مجلس ختم ہوئی۔

اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً علاج کے سلسہ میں ان کے گھر جانے کا اتفاق ہوتا رہا اور بندہ کو حیرت ہوتی کہ باباجیؒ کو میری گھر والی کا نام یاد رہا اور ہر بار اس کا پوچھتے اور کہتے کہ میری طرف سے سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ تمہارا کام (ذاتی گھر) بھی مجھے یاد ہے اور میں اس کی ہمیشہ دعا کرتا ہوں۔ کبھی کبھار بندہ کو فون پر بھی یہ پیغام گھر والی کے لئے دیتے تھے۔

۲۔

یہ غالباً ۲۰۰۳ء کی بات ہے، ایک مرتبہ ڈاکٹر خان بہادر مروت صاحب (سابق وائس چانسلر ایگریکلچرل یونیورسٹی پشاور، موجودہ وائس چانسلر بے نظیر یونیورسٹی، دیر) کے یونیورسٹی والے گھر میں رات کے کھانے کی دعوت پر حضرت خیال محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیشتر خلفاء، حاجی شیر حسن صاحب، میر حاتم صاحب، حاجی غضنفر صاحب دامت برکاتہم بھی مدعو تھے۔ میں بھی حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ موجود تھا۔ کھانے کے بعد مجلس متفرق ہوگئی اور میں اور حضرت ڈاکٹر فدا صاحب، خیال محمد صاحب کے ساتھ محوِ گفتگو تھے کہ اچانک حضرت خیال محمد صاحبؒ مراقبہ کی کیفیت میں چلے گئے۔ میں یہ سمجھا کہ شاید اونگھ آ گئی ہے۔ چند لمحات کے بعد حضرتؒ نے حضرت ڈاکٹر صاحب کو مخاطب کر کے کہا: ''پشاور کے بارے میں ۱۹۳۵ء والے کوئٹہ کے زلزلے والا فیصلہ ہو گیا تھا مگر سات آدمی (فقرائے تقوین) واویلہ کے لئے اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے اور اللہ نے خیر کر دی۔'' یاد رہے کہ ۱۹۳۵ء میں کوئٹہ

میں دنیا کی تاریخ کا شدید زلزلہ آیا تھا۔اس گفتگو کی تھوڑی دیر بعد مجلس برخاست ہوگئی اور ہم سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

یہ گرمیوں کی مختصر راتیں تھیں اور سونے کے کوئی دو گھنٹے بعد زلزلے کا شدید جھٹکا محسوس ہوا۔ یہ ایک ہی جھٹکا تھا لیکن اتنا سخت تھا کہ اگر ایک سیکنڈ سے زیادہ ہوتا تو بہت تباہی ہو جاتی۔ مسجد فردوس میں فجر کی نماز کے وقت حضرت ڈاکٹر صاحب نے مجھے کہا کہ رات کا واقعہ یاد ہے آپ کو تو میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ے　اُجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس جگہ پر زندگی کی شام ہو جائے

ے　آئے عُشاق گئے وعدۂ فردا لے کر
ڈھونڈ انھیں اب تو چراغِ رخِ زیبا لے کر

ے　فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

(صفحہ ۳۱ سے آگے)

نماز تہجد کی قضاء کا بدل:

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص رات کو سوتا رہ گیا اپنے مقررہ ورد سے یا اس کے کسی جز سے پھر اس نے اس کو پڑھ لیا نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان تو لکھا جائے گا اس کے حق میں جیسے کہ اس نے پڑھا ہے رات ہی میں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے رات کے لئے اپنا کوئی ورد مقرر کر لیا ہو مثلاً یہ کہ میں اتنی رکعتیں پڑھا کروں گا اور اس میں قرآن مجید اتنا پڑھوں گا اور وہ کسی رات سوتا رہ جائے اور اس کا پورا ورد یا کوئی جز فوت ہو جائے، تو اگر اسی دن نماز ظہر سے پہلے پہلے اس کو پڑھ لے تو حق تعالیٰ اس کے لئے رات کے پڑھنے کے برابر ثواب عطا فرمائیں گے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب بیماری وغیرہ کسی عذر کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی نمازِ تہجد فوت ہو جاتی تو آپ ﷺ دن کو اس کے بجائے بارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ (معارف الحدیث) (جاری ہے)

ملفوظاتِ شیخ ۔ ڈاکٹر فدامحمد صاحب دامت برکاتہ (قسط۔٦٨)

(ظہورالٰہی فاروقی صاحب)

برکت والی بیعت اور تربیت والی بیعت :

(مجلسِ ذکر کے اختتام پر ایک آدمی کا بیعت کے متعلق سوال اور حضرت والا کا جواب)

سوال: میں حضرت مولانا اشرف صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت تھا، پھر لاہور چلا گیا، مولانا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو لاہور میں ایک عالم سے پوچھا جو کہ تصوّف سے واقف تھے، انہوں نے کہا کہ تھانوی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب شیخ کی موت ہوجائے تو تین دن کے اندر اندر دوسرے سے بیعت ہوجائے۔ مجھے فکر ہوئی، میں سیالکوٹ میں بیعت ہوگیا۔ پھر وہ شیخ بھی فوت ہوگئے، پھر میں لاہور میں اشرفیہ خانقاہ گیا، وہاں عبدالمقیم صاحب ہیں جو خلیفۂ مجاز ہیں اس خانقاہ کے اور اس کو چلاتے ہیں، انہوں نے بھی فرمایا کہ تین دن کے اندر بیعت ہونا چاہیے، وہاں آیا کرتے تھے حکیم اختر صاحب، پھر میں نے ان سے بیعت کی۔

جواب: عرض یہ ہے کہ آپ نے ساری بیعتیں برکت والی کی ہیں، تربیت والی بیعت آپ نے نہیں کی۔ تربیت والی تو تب ہوتی کہ آپ بار بار مشورہ کر کے جو ترتیب حضرات بتاتے اس سے گزرے ہوتے، وہ آپ کی نہیں ہوئی ہے۔ اب آپ کو تربیت سے گزرنا چاہیے۔

فرمایا کہ ہماری بیعت ۱۹۶۹ء میں حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ دہلی والے بزرگوں سے ہوئی تھی جو کہ تبلیغی جماعت کے دوسرے امیر تھے، بہت کامل اور بہت پائے کی شخصیت تھے۔ تبلیغ والے حضرات بھی صرف برکت کی بیعت کراتے تھے کہ بیعت کا ایک نام ہو جائے باقی جیسے ہم دوڑاتے ہیں ایسے ہی کام کرتے رہیں، اُس طرف کو نہ جائیں۔ بہرحال ہم نے پوچھا تو پتہ چلا کہ تربیت کرانی ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ حضرت جیؒ دہلی میں ہیں اور ہم یہاں ہیں تو تربیت

کیسے ہوگی؟ انہوں نے کہا خط کے ذریعے سے ہوسکتی ہے۔ ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۱ء تک میں خط لکھتا رہا اور حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ خط کا جواب عنایت فرماتے رہے۔ ۱۹۷۱ء میں ہوگئی جنگ، جنگ کے بعد پاکستان ہندوستان کے درمیان خط و کتابت بند ہوگئی۔ ہم نے کسی طریقے سے حضرت جیؒ سے پچھوایا کہ آپ سے رابطہ ممکن ہونا مشکل ہوتا ہے تو یہاں حضرت مولانا اشرف صاحبؒ ہوتے ہیں کیا ہم ان سے اصلاح کی باتیں پوچھ لیا کریں؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ ضرور پوچھا کریں۔ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی پشاوریؒ کے پاس میں نے جانا آنا شروع کیا۔ کچھ عرصے کے بعد بڑا دل لگ گیا۔ میں نے حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی پشاوری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ اگر ہم حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی بجائے آپ سے بیعت کرلیں ....تو انہوں نے فرمایا کہ نہیں بیعت آپ کی وہی ہونی چاہیے البتہ تربیتی باتوں کا مشورہ آپ مجھ سے کرتے رہیں، میں نے کہا ٹھیک ہے۔ تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اجازت ملنے تک میں نے ان سے بیعت نہیں کی۔ تربیت اِن سے لی ہے بیعت حضرت جیؒ کی ہی تھی۔ یہاں تک کہ ۱۹۸۰ء میں حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت کی اجازت دے دی۔ اس وقت حضرت جی صاحبؒ زندہ تھے پھر حضرت جیؒ اور مولانا اشرف صاحبؒ دونوں کی وفات ۱۹۹۵ء میں ہوئی ہے۔ مئی ۱۹۹۵ء میں حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی اور ستمبر ۱۹۹۵ء میں حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کی وفات ہوگئی۔

بیعت داخلہ ہے اور اصل بات اس کے بعد تربیت ہے، تربیت کے دورانئے سے گزرنا چاہیے۔ بندہ کے کتابچہ 'اصلاحِ نفس' میں جو درجہ اوّل، دوئم، سوئم لکھا ہے، یہ بڑی محنت سے لکھا ہے۔ کوئی آدمی اس کی پابندی شروع کردے، آج سے نیت کرلے کہ میں نے درجہ اوّل کی پابندی شروع کردی اور چھ مہینے میں میں اس کو مکمل کروں گا۔ پھر یہ دیکھے کہ چند دن کے بعد دل کا حال کیسے بدلتا ہے، اور اگر کوئی کام ہی نہ کرے تو آدمی کیا کہہ سکتا ہے۔ مجلس میں آئے جائے، اسی طرح بیان سن لیا، اجر و ثواب ضرور ہوجاتا ہے، کچھ نہ کچھ فائدہ بھی ہوجاتا ہے لیکن آدمی خود جا کر پھر کام نہ

کرے تو اس سے بات نہیں بنتی۔ایک دن ورزش کر کے آدمی ایک مہینہ بیٹھ جایا کرے تو اس سے اثرات مرتب نہیں ہوتے۔

ہمارے ایک ساتھی طارق جلالی صاحب دل کے مریض ہو گئے، کہا کرتے تھے کہ ڈاکٹروں نے انہیں واک (پیدل چلنا) کرنے کا کہا، انہوں نے واک شروع کر دی۔ڈاکٹر نے بتایا کہ جب شروع کرو گے تو فائدے کا مہینے بعد پتہ چلے گا کہ فائدہ ہوا لیکن جب چھوڑو گے تو تین دن میں پتہ چلے گا کہ نقصان ہو گیا۔طارق جلالی صاحب نے کہا کہ واقعی اس مشق کو کیا تو مہینے بعد فائدہ ہوا، اب تین دن چھوٹ جاتی ہے تو پتہ چل جاتا ہے کہ نقصان ہو گیا، کمزوری محسوس ہو جاتی ہے۔ اسی طرح رُوحانیت والے بھی کہتے ہیں کہ ایک دن بلا عذر آدمی سے ناغہ ہو گیا، ایک دن، دو دن، تین دن ناغہ ہو گیا تو چوتھے دن اس کی برکات زائل ہو جاتی ہیں، پھر دوبارہ نئے سرے سے کوشش کرنی ہوتی ہے، اور اگر عذر سے ہوا اور دل میں اس کو غم ہوا کہ بیماری تھی نہ ہو سکا، سفر تھا نہ ہو سکا، وفات ہو گئی تھی کسی کی، بچہ بیمار تھا نہ ہو سکا، اس کو افسوس ہوتا رہا تو اس کی برکت بحال رہتی ہے۔اس میں دوبارہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کرنا لازمی نہیں ہوتا البتہ تربیت لینا لازمی ہے۔پچھلا سبق پورا کر کے، پچھلے احوال بتا کر آگے کا آدمی مشورہ کرے۔

بعض کم فہم لوگ دوسرے دینی کاموں کی مخالفت کرنے کو ایک مقدس فریضہ سمجھتے ہیں:

فرمایا کہ کوہاٹ کے ایک ڈاکٹر صاحب سلسلے میں بیعت ہوئے، ان کو ایک امیر صاحب ٹکر گئے۔اس نے کہا کہ اوہو، تُو ایسے آدمی سے بیعت ہو گیا ہے کہ چار چار آنے پر اس کی لڑائیاں ہوتی ہیں اور چار چار آنے کیلئے لڑ رہا ہوتا ہے اور اس سے تُو بیعت ہو گیا ہے۔واقعی میں چار چار آنے کی خاطر لڑائیاں کرتا ہوں کیونکہ نہ چار آنے کسی کو دیتا ہوں بغیر کسی اُصول کے اور نہ چار آنے کسی سے لیتا ہوں اور بعض اوقات لڑائی کر کے چار آنے لے لیتا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ یہ روپیہ

لے لو مگر یہ چار آنے میں نے نہیں چھوڑنے تھے کیونکہ یہ اُصول کی بات تھی، اس سے معاشرہ خراب ہوتا ہے، قانون خراب ہوتا ہے۔ خیر یہ آدمی بیعت سے فارغ ہو گیا۔ اس کا ایک ساتھی ماہوار اجتماع میں آیا جس میں میں نے کہا کہ اگر کوئی آدمی بیعت ہونے کے بعد اتنا دل میں رکھے ہوئے ہو کہ میں بھی سلسلے میں ہوں تو کچھ نہ کچھ فائدہ اس کو بھی پہنچتا رہتا ہے۔ وہ چلا گیا اور اُس ڈاکٹر سے کہا تو اس نے دل میں بیعت بحال کرنے کا اِرادہ کرلیا۔ پھر اللہ کی شان کہ اس کا معمولی تار لگا ہوا تھا، دوبارہ آنے جانے کی اس کو توفیق ہوئی اور اللہ نے پوری زندگی ہی بدل دی۔ میں نے کہا ماشاء اللہ امیر صاحب تو نہ اپنے ساتھ لے جاسکتا تھا آپ کو اور نہ ہمارے ساتھ چھوڑتا تھا۔ ہمارے ساتھ سے ہٹانے کو تو مقدس فریضہ سمجھتا تھا کہ دوسرے دینی کاموں کی مخالفت کرنا مقدس فریضہ ہے اور اپنے ساتھ بھی نہیں لے جاسکتا تھا۔ تو اُس آدمی کو ایسی ترتیب پر چھوڑ رہا تھا کہ بس آزاد ہو، کسی کا نہ ہو اور کوئی فائدہ ہی نہ ہو۔

خوش اخلاقی مفت کی نیکی ہے اور ولایت کا دروازہ کھولنے والی ہے:

فرمایا کہ ہمارے یہاں ایک پروفیسر صاحب نے امام صاحب کو ڈانٹا تو مجھے بڑی ناگواری ہوئی۔ بس پروفیسر صاحب گیا اور اُس کو کمر کا درد ہو گیا اور جماعت کی نماز میں آنے سے ہی رہ گیا۔ ایک دفعہ میں گاؤں گیا تو پانی کی بہت تکلیف تھی، بارشیں نہیں ہو رہی تھیں، کنویں خشک ہو رہے تھے اور لوگ کنوؤں میں مزید آٹھ آٹھ، دس دس فٹ کھدائی کروا رہے تھے۔ ہمارے گاؤں کا ایک آدمی تھا جس کا وقت انگلینڈ میں گزرا تھا اور دہریہ ہو کر آ گیا تھا۔ دیہاتی لوگوں نے اُس کی انگریزیت کی وجہ سے اُس کا نام اینٹی پینٹی رکھا ہوا تھا۔ نمازوں کے خلاف باتیں، روزوں کے خلاف باتیں، دین کے خلاف باتیں اس کا مشغلہ تھا۔ اس کا بھی کنواں خشک ہو گیا اور وہ اس کی کھدائی کروا رہا تھا۔ ہمارے امام صاحب کا بیٹا مسجد میں بچوں کو قرآن مجید پڑھاتا تھا، اُس نے اِس آدمی کے بچے کی پٹائی کر دی تو یہ آدمی آیا اور امام صاحب کے بیٹے کو بہت بے عزت کیا۔ پھر وہ

کنواں کھودنے پر لگے مزدوروں کو دیکھنے کے لئے گیا، اس نے کہا کہ یہ مزدور ٹھیک کام نہیں کرتے، میں خود دیکھنے نیچے اُتروں گا۔ جب اسے اتارنے لگے تو آدمی کے ہاتھ سے کنویں کی چرخی چھوٹ گئی، اینٹی پینٹی سیدھا جا کر نیچے گرا، سر میں چوٹ لگی اور مر گیا۔ دوسرے بھائی نے کہا کہ پیچھے میں اُترتا ہوں۔ اس کو اُتار رہے تھے تو آدھے میں وہ بھی چھوٹا اور اِس کی پسلیوں پر جا کر گرا۔ تیسرے آدمی نے چرخی کو روکنے کی کوشش کی، اس نے جوں ہی پکڑا تو چرخی نے اس کو گھمایا اور کنویں کے اُس طرف لے جا کر پھینکا۔ میں نے گاؤں والوں کو کہا کہ اس کی پکڑ نہیں ہو رہی تھی مگر اس نے ایک اللہ والے کو کرخت بات کر کے ستایا، بس اس کی پکڑ ہو گئی۔ اتنے دنوں یہ دندناتا پھر رہا تھا، اب اس کی پکڑ ہو گئی ہے، اب آپ فکر نہ کریں، بارشیں بھی ہو جائیں گی، علاقے کا پانی بھی ہو جائے گا۔ تو یہ خوش اخلاقی مفت کی نیکی ہے اور ولایت کا دروازہ کھولنے والی ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے کہ

درد دِل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھیں کروبیاں

دعا یا بددعا فقط الفاظ نہیں جو ہم کہتے ہیں بلکہ یہ قلب کی اس کیفیت کو کہتے ہیں جو ہمارے دِل میں کسی کی خدمت یا اذیت سے پیدا ہوتی ہے:

فرمایا کہ نفس کا کچلنا مشکل ہوتا ہے۔ نفس کا کچلنا ہو جائے تو انشاء اللہ آپ مال، جان، اولاد ہر چیز میں واضح برکت کو آتا دیکھ لیں گے۔ میں ایک جگہ گیا تو وہاں ایک عورت نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب! میرے بچوں کے لئے دُعا کریں۔ میں نے کہا دعا تو میں کروں گا مگر تم بچوں کے والد صاحب کو ستایا مت کرو، کیونکہ مرد نے شکایت کی تھی کہ مجھے بہت ناگوار باتیں کرتی ہے، تلخ باتیں کہتی ہے کیونکہ عورت مالدار ہے، اس کا مال گھر میں چل رہا ہے، میں نے کہا کہ اگر تو بچوں کی ترقی چاہتی ہے تو خاوند کو ستایا نہ کر، میں دعا کروں گا لیکن نسخہ میں نے آپ کو بتا دیا ہے۔ بعض مرد کہتے ہیں کہ دعا کرو بچوں کا مستقبل کھلے۔ میں اس سے کہتا ہوں کہ بیوی کو ستایا مت کرو تو تمہارے بارے

میں بھی خیر کے حالات آئیں گے۔

ہم نے آپس میں ایک دوسرے کے دِل دُکھائے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے ایک دوسرے کے لئے دل سے دعا کی چاہت نہیں ہوتی۔ دُعا الفاظ تو نہیں ہیں جو ہم کہتے ہیں بلکہ دعا قلب کی اس کیفیت کو کہتے ہیں جو ہمارے دل میں کسی کی خدمت یا اذیت سے پیدا ہوتی ہے۔

مضبوط شخصیت وہ ہوتی ہے جو بجائے مار پٹائی کے اور طریقوں سے اصلاح کر سکے:

فرمایا کہ فقہ کی کتابوں میں باقاعدہ لکھا ہوا ہے کہ آدمی گھر والی کو صرف دو باتوں پر مار سکتا ہے، نماز نہ پڑھنے پر اور گندہ رہنے پر، اور یہ مارنا بھی ایسے ہے کہ پتلی شاخ سے رانوں یا پنڈلیوں پر مارے تاکہ جلد کو تکلیف ہو اور ہڈی نہ ٹوٹے اور اس کی بھی اجازت ہے لیکن یہ بہتر نہیں ہے، چاہئے کہ آدمی کسی اور طریقے سے اس کی اصلاح کرے۔ مضبوط شخصیت وہ ہوتی ہے جو بجائے مار پٹائی کے اور طریقوں سے اصلاح کر سکتی ہو۔ بعض آدمی کی نگاہ ایسے ہوتی ہے کہ سارے بچے ڈر کر دبک جاتے ہیں اور اس کی بات کو مان لیتے ہیں اور بعض آدمی چیخیں مارتا ہے شور مچاتا ہے مگر کوئی اس کی بات نہیں مانتا۔

میں نے جن کنسلٹنٹ ڈاکٹروں کے ساتھ کام کیا ہے تو ان میں سے ایک جو تھے اگر کوئی بات ان کی طبیعت کے خلاف ہو جاتی یا ہم سے کسی مریض کی دیکھ بھال میں کوئی کوتاہی ہو جاتی تو وہ صرف چوتھائی منٹ کے لئے راؤنڈ میں خاموش ہو جاتے تھے اور سارے وارڈ میں کھلبلی مچ جاتی۔ یہ گویا انتہائی ناراضگی کا اظہار ہوتا، پوچھتے فلاں کام کیسے ہوا؟ ہم کہتے ایسے ہوا۔ اگر اس میں غلطی ہوتی تو صرف چوتھائی منٹ کے لئے خاموش ہو جاتے، اس سے آدمی پر اتنا بوجھ آتا کہ سب معافی مانگنے کے لئے تیار ہو جاتے جبکہ ایک اور کنسلٹنٹ تھے، وہ معمولی بات پر اتنا شور مچاتے کہ پورا وارڈ ان کی آواز کو سن لیتا، تب جا کر کوئی ان کی بات پر عمل کرتا۔ شور اتنا زیادہ اور شخصیت کا اتنا بھی رعب

نہیں کہ کوئی اثر لے۔

صبر اور برداشت:

فرمایا کہ پہلے دور میں تبلیغ کے سلسلے میں یونیورسٹی کے طلبا کی نگرانی میں کرتا تھا۔ان دنوں شبِ جمعہ پر کھانا ساتھ لے کر جانا ہوتا تھا۔میں کسی طالبعلم سے کہتا کہ برخوردار آپ کھانا لے کر آئیں گے تو وہ کھانے کے دو تین دیگچے باندھ کر سر پر رکھ کر لاتا تھا، پھر میں اس سے کہتا کہ آپ ان لوگوں کو کھانا کھلائیں اور خود پیچھے بیٹھ کر اس کی ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دیتا کہ خان ہوگا تو اپنے علاقے کا ہوگا، یہاں تو خدمت کرنی ہے،اس کو تو کوئی کام کرنے کا طریقہ نہیں آتا، پلیٹ ٹیڑھی رکھ رہا ہے، یہ تُو کیا کر رہا ہے،تو اس طرح دس منٹ اس کو لتاڑنا ہوتا تھا۔ایک دفعہ ہمارے ہزارے کے علاقے کا ایک خان تھا اور میاں صاحب بھی تھا،کسی نے کہا کہ اس کو امیر بنانا چاہیئے، بہت خدمت کرتا ہے،تو میں نے اس کو کھانا لے جانے کا کہا اور پھر جب اس کی ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دی تو آدمی گرم ہو گیا کہ دیکھو جی ہم سب کچھ کر سکتے ہیں مگر یہ باتیں برداشت نہیں کر سکتے۔میں نے کہا بالکل ٹھیک ہے جی۔آج کے بعد آپ ہمارے معزز دوست رہیں گے لیکن وہ جو آپ کو اعزاز دینا تھا وہ نہیں ہو سکے گا۔آج تک وہ ہمارے معزز دوست ہیں، ہم ان کا خیال کرتے ہیں، پر زندگی نہ بدل سکی، کیونکہ یہ تو تب ہو سکتا تھا جب وہ اس کہنے سننے پر صبر کر لیتا۔

(جاری ہے)

اطلاع

آئندہ ماہانہ اجتماع انشاء اللہ ۳۰ مئی ۲۰۱۵ء بروز ہفتہ خانقاہ میں منعقد ہوگا۔

بیان مغرب کی نماز کے بعد ہوگا۔

حجرِ اسود کی روداد

(الحاج گوہر رحمان نقشبندی مجددی فریدی صاحب کی تصنیف ”عشق و محبت کا سفر“ سے اقتباس)

(جناب الحاج گوہر رحمان صاحب نقشبندی فریدی ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے وکیل ہیں۔ جناب حضرت مولانا مفتی فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ باقاعدہ مدرسے کے فارغ شدہ عالم نہیں ہیں لیکن حضرت مفتی صاحب کی وجہ سے دین کا اور تصوف کا گہرا فہم رکھتے ہیں۔ حال ہی میں انھوں نے ایک کتابچہ 'عشق ومحبت کا سفر' شائع کیا۔ اس میں ان کے حج کے سفر کی روئیداد ہے۔ عام طور پر لوگ آنے جانے اور وہاں کے حالات کا تذکرہ کرتے ہیں جبکہ جناب گوہر رحمان صاحب نے آنے جانے کے تذکرے کے ساتھ ایسے پہلوؤں سے تبصرہ کیا ہے اور ایسے مضامین کو بیان کیا ہے کہ کتاب معرفت کا ایک خزانہ بن گئی ہے۔ بندہ کا مشورہ ہے کہ سب اہلِ ذوق اس کتاب کو ضرور پڑھیں۔ اسی کتاب سے ذیل میں ایک اقتباس لیا گیا ہے۔ اہلِ علم اقتباس کی قدر و قیمت کا خوب اندازہ لگا سکتے ہیں)

....

۷ ذی الحجہ ۳۱۷ھ کو بحرین کے حاکم ابوطاہر سلیمان قرامطی نے مکہ معظمہ پر قبضہ کر لیا۔ خوف و ہراس کا یہ عالم تھا کہ اس سال ۳۱۷ھ کو حجِ بیت اللہ شریف نہ ہو سکا۔ کوئی بھی شخص عرفات نہ جا سکا۔ یہ اسلام میں پہلا موقع تھا کہ حجِ بیت اللہ موقوف ہو گیا۔ اسی ابوطاہر نے حجرِ اسود کو خانہ کعبہ سے نکال کر اپنے ساتھ بحرین لے جا کر وہاں جعلی کعبہ بنانے کے لئے وہاں کی جامعہ مسجد میں لگا دیا۔ پھر مقتدر باللہ خلیفہ بنو عباس ابوطاہر قرامطی کو تیس ہزار دینار کی ادائیگی کر کے حجرِ اسود ۳۳۹ھ میں واپس لے آیا۔ گویا تیس سال تک خانہ کعبہ حجرِ اسود کے بغیر رہا۔

جب حجرِ اسود کو واپس کرنے کا فیصلہ ہوا تو خلیفۂ وقت نے حجرِ اسود واپس لانے کے لئے ایک بڑے عالم محدث شیخ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کو حجرِ اسود کی وصولی کے لئے ایک وفد کے ساتھ بحرین

بھجوایا۔ جب شیخ عبداللہؒ بحرین پہنچ گئے تو بحرین کے حاکم نے وفد کو حجرِ اسود حوالے کرنے کے لئے ایک تقریب کا اہتمام کیا اور پھر ان کے لئے ایک خوشبودار پتھر خوبصورت غلاف میں سے نکال کر پیش کیا گیا کہ یہ حجرِ اسود ہے، اسے اپنے ساتھ لے جایئے۔ محدث حضرت عبداللہؒ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ حجرِ اسود میں دو نشانیاں ہیں، اگر یہ پتھر اس معیار پر پورا اترا تو یہ حجرِ اسود ہوگا اور ہم لے جائیں گے۔ پہلی نشانی یہ ہے کہ یہ پانی میں ڈوبتا نہیں، دوسری یہ کہ آگ سے گرم بھی نہیں ہوتا۔ جب اس پتھر کو پانی میں ڈالا گیا تو وہ ڈوب گیا، پھر جب آگ میں ڈالا تو خوب گرم ہوگیا یہاں تک کہ آگ کی گرمی سے پھٹ گیا۔ اس کے بعد دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی ایک اور عام پتھر لایا گیا۔ اس کے ساتھ بھی یہی کچھ پیش آیا۔ چنانچہ فرمایا کہ ہم اصل حجرِ اسود کو لیں گے۔ اس کے بعد اصلی حجرِ اسود کو لایا گیا، اسے آگ میں ڈالا گیا تو ٹھنڈا نکلا اور جب پانی میں ڈالا گیا تو کنول کے پھول کی طرح پانی کی سطح پر تیرنے لگا۔ محدث حضرت عبداللہؒ نے فرمایا کہ یہی ہمارا حجرِ اسود ہے اور یہی خانہ کعبہ کی زینت ہے اور یہی جنت والا پتھر ہے۔ اس وقت ابوطاہر قرامطی نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا: ''یہ باتیں آپ کو کہاں سے ملی ہیں؟'' محدث حضرت عبداللہؒ نے فرمایا: ''یہ باتیں ہمیں جناب رسول اللہ ﷺ سے ملی ہیں کہ حجرِ اسود پانی میں ڈوبے گا نہیں اور آگ سے گرم نہیں ہوگا۔'' ابوطاہر نے کہا کہ یہ دین روایات سے بڑا مضبوط ہے۔ جب حجرِ اسود مسلمانوں کو مل گیا تو اسے ایک کمزور اونٹنی کے اوپر لادا گیا جس نے تیز رفتاری کے ساتھ اسے خانہ کعبہ پہنچایا۔ اس اونٹنی میں زبردست قوت آگئی اس لئے کہ حجرِ اسود اپنے مرکز (بیت اللہ شریف) کی طرف جا رہا تھا۔ لیکن جب اسے خانہ کعبہ سے نکالا گیا تھا اور بحرین لے جایا جا رہا تھا تو جس اونٹ پر لادا جاتا وہ مرجاتا۔ حتیٰ کہ بحرین پہنچنے تک چالیس اونٹ اس کے نیچے مرگئے۔

میرے قارئین کرام کو ضرور تجسس ہوگا کہ اسماعیلی فرقے کے ابوطاہر قرامطی کا انجام کیا ہوا؟

قدرتِ الٰہی نے ابوطاہر سے اس کی گستاخی کا انتقام لیا اور اس کا جسم گل گل کر جھڑ گیا۔ گندے کیڑے جسم سے ٹپکنے لگے اور عبرت کا نشان بن کر چل بسا۔ ۱۰ ذی الحجہ ۳۳۹ھ بدھ کے دن یہ پتھر واپس آیا۔

معاشرے کی اصلاح و بگاڑ پر مالی رویوں کے اثرات

(مولانا محمد طفیل صاحب، ندوۃ التحقیق الاسلامی، کوہاٹ)

(''مرکز الامام ابوعبداللہ الشافعی اردن'' کے زیر اہتمام اور ''الخیر یونیورسٹی اسلام آباد'' کے تعاون سے ۳۰، ۳۱ مارچ کو اسلام آباد ہوٹل میں ''المال و اثرہ فی الامن الاجتماعی'' (مال اور اس کا اجتماعی امن وامان پر اثر) کے موضوع پر ایک بین الاقوامی مؤتمر (کانفرنس) منعقد کی گئی۔ بندہ نے محترم ڈاکٹر عبدالحئی ابڑو (رئیس شعبۂ افتاوتحقیق بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد) کی دعوت پر مؤتمر میں درج ذیل مقالہ پیش کیا جو افادۂ عام کے لیے پیش خدمت ہے)

....

اسلام ایک جامع اور ہمہ گیر ضابطۂ حیات ہے، اس نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہمہ پہلوؤں کے لیے زریں ہدایات پیش کی ہیں، دنیا میں انسان کے مالی حاصلات سے متعلق بھی اسلام نے مفصل ہدایات دی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے ''مال'' بطور وسیلہ وانعام عطا فرمایا ہے۔ قرآن مجید نے مال کی اس حیثیت کو ''جعل اللہ لکم قیاما'' سے تعبیر کر کے واضح کیا ہے کہ مال انسانی معاش اور عالم انسانی کے قیام کا ذریعہ ہے۔ اسی وجہ سے اس کی طلب کو ''فریضۃ بعد الفریضۃ'' (فرائض کے بعد فریضہ) کہا گیا ہے اور اس کے لیے کی جانے والی سعی اور کوشش ''عبادت'' بتلائی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''نعمابالمال الصالح للرجل الصالح'' (مشکوٰۃ) یعنی نیک آدمی کے لیے اچھا اور پاکیزہ مال بہترین متاعِ حیات ہے۔ اسی طرح نصوص (قرآن کی آیتیں اور احادیث) میں تجارت کے لیے ''فضل اللہ'' (اللہ کا فضل) خوراک کے لیے ''الطیبات من الرزق'' (کھانے کی پاکیزہ چیزیں)، لباس کے لیے ''زینۃ اللہ'' (اللہ کی زینت)، رہائش کے لیے ''سکن'' (سکون کی جگہ) اور اموال کے لیے ''خیر'' (بھلائی) جیسے احترامی القاب استعمال کیے گئے ہیں اور مال و دولت کی حفاظت کا بھرپور داعیہ بھی دلوں میں پیدا کیا گیا ہے، یہاں تک کہ اگر

مال کی حفاظت کے لیے جان کا قیمتی سرمایہ پیش کرنے کی نوبت بھی آجائے تو اسے نہ صرف گوارا کیا گیا ہے بلکہ ایسے شخص کو شہادت کے اجر کی خوشخبری بھی سنائی گئی ہے۔ان تمام ارشادات سے اسلام کی نظر میں مال کا تصور ایک محبوب ومطلوب چیز کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

لیکن جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں اسلامی لٹریچر میں دنیا اور دنیاوی مال کے لئے متاع الغرور، فتنہ اور لعب ولہو کے الفاظ بھی ملتے ہیں، نیز ڈھیروں روایات میں مال ودنیا کی مذمت اور اس کی محبت پر اخروی عذاب کی وعیدیں آئی ہیں، جن سے مال کا ایک بھیانک تصور سامنے آتا ہے۔کوتاہ نظری اس موقع پر تضاد کا شبہ بھی پیدا کرسکتی ہے لیکن بغور جائزہ لینے پر واضح ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں تمام تر مالی وسائل معاش وانتظام عالم کے محض ذرائع اور انسانی رہ گذر کے مرحلے ہیں، اس کی اصل منزل درحقیقت ''مال ودولت'' سے آگے کردار کی بلندی اور اس کے نتیجے میں آخرت کی بہبودی ہے، انسان کا اصل مسئلہ اور اس کی زندگی کا بنیادی مقصد انہی دو مقاصد کی تحصیل ہے، لیکن چونکہ ان منزلوں کو شاہراہ دنیا سے گزرے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا اس لئے مال کا حصول بھی انسان کے لیے ضروری ہوجاتا ہے، لہٰذا جب تک مال انسان کی اصلی منزل کے لیے رہگذر کا کام دے، تو وہ فضل اللہ، خیر اور زینۃ اللہ ہے لیکن جہاں انسان اس رہگذر کی بھول بھلیوں میں الجھ کر رہ جائے اور اس پر اپنی اصل منزل مقصود کو قربان کرڈالے یا با الفاظ دیگر مال ہی منزل مقصود بنالے تو یہی مالی وسائل ''متاع الغرور، فتنہ اور لعب و لھو'' بن جاتے ہیں۔

اسی تناظر میں انسان اور مال کا باہمی تعلق ''کسب'' بتلایا گیا ہے، یعنی انسان مال کا مالک نہیں بلکہ محض کاسب (کمانے والا) ہے، جہاں کہیں اس کی ملکیت کا ذکر ہے وہ ملک حقیقی نہیں بلکہ عطائی ہے اور انسان کے پاس بطور نائب اور خلیفہ مال میں وقتی اور عارضی تصرف کا اختیار ہے جسے استعمال کرنے میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو حدود وقیود کا پابند بنایا ہے۔اس مختصر سے تجزیے سے اسلام کی نظر میں مال کی حیثیت پوری وضاحت سے سامنے آجاتی ہے کہ نہ تو مال شجرِ ممنوعہ ہے کہ اس کے ساتھ راہبانہ رویہ برتا جائے اور نہ ہی مقصد زندگی کہ اس کی پوجا پاٹ میں ساری قوتیں صرف کرلی جائیں بلکہ یہ کارگاہِ حیات کی ایک

ضرورت ہے، جس کے حصول وصرف میں خداوند کریم کے احکامات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

مال اور معاشرتی رویے

انسانی معاشرت میں مال کے ساتھ کیا رویہ برتا گیا ہے اور اس کے معاشرے کی اصلاح و بگاڑ پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں، ذیل میں انہی امور کا مختصر جائزہ پیش خدمت ہے۔ اسلام نے مال سے متعلق معاشرے میں اساسی طور پر تین رویوں کی نشاندہی کی ہے:

پہلے رویے کو قرآن مجید نے "بخل و شُح" سے تعبیر کیا ہے۔

دوسرے رویے کے لئے "اسراف و تبذیر" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔

جب کہ تیسرے رویے کو "اقتصاد" اور "انفاق" کہا ہے۔

اسلام نے ان میں سے پہلے دو رویوں کو منفی قرار دے کر ان کی خوب مذمت کی ہے، اپنے پیروؤں کو ان سے بچنے کی تاکید کی ہے اور اس کے لیے ترغیب و ترہیب ہر دو پہلوؤں سے کام لیا ہے، جبکہ تیسرے رویے کو محمود و مطلوب بتلایا ہے اور اسے برتنے پر دنیا و آخرت کے انعامات کے وعدے کیے ہیں۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ اسلام کی نظر میں معاشرے کے بگاڑ اور فساد کی بنیاد پہلے دو رویے ہیں اور تیسرا رویہ ہی اس بگاڑ کی اصلاح کا کارنامہ سرانجام دے سکتا ہے، لہٰذا ذیل میں ان رویوں کا مختصر جائزہ اور اقتصاد و انفاق کے ذریعے معاشرتی بگاڑ کی اصلاح کے طریقوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

بخل و شُح

اسلام نے مال کی محبتِ عقلی کو برائی کی جڑ قرار دیا ہے۔ "بخل و شُح" کا رویہ حبِ مال کا مظہر ہے۔ بخل اپنے ذاتی سرمایے سے واجب اخراجات کو روکنے کا نام ہے۔ قرآن مجید نے تنبیہ کی ہے کہ مال بچانے کی یہ روش شر کا پیش خیمہ ہے، اسے جو لوگ اپنی معاشی ترقی کا سبب تصور کرتے ہیں وہ دھوکے میں ہیں اور اس راز سے بروز قیامت پردہ اُٹھ جائے گا۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ (آل عمران: ۱۸۰)

(ترجمہ) اور وہ لوگ جو اس چیز (کے خرچ کرنے) میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے انہیں دے رکھی ہے، وہ خیال نہ کریں کہ (یہ بخل) ان کے لئے بہتر ہے بلکہ یہ ان کے لئے بہت برا ہے، جس (مال) میں وہ (آج) کنجوسی کر رہے ہیں یقیناً قیامت کے دن اسی کے طوق ان کے (گلوں میں) ڈالے جائیں گے۔"

احادیث مبارکہ میں بخل کو کفار کا شیوہ، دین بیزاری، خبثِ باطن اور جہنم کے عذاب کا سبب قرار دیا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ حضور ﷺ اس رویے سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔

بخل سے قریب تر رویہ شُح ہے۔ شح اس باطنی بیماری کا نام ہے کہ انسان اپنے مالی وسائل سے کبھی سیر نہ ہو اور وہ اپنی پوری توانائی اس پر صرف کر دے کہ کسی طرح دوسروں کے مالی وسائل اس کے قبضہ میں آجائیں۔ قرآن مجید نے واضح کیا ہے کہ حقیقی کامیابی سے وہی شخص ہمکنار ہو سکتا ہے جو شح کے رویے سے پوری طرح پاک ہو، لہٰذا جذبہ شح سے مغلوب شخص اسلام کی نظر میں ہرگز کامیاب نہیں کیونکہ شح وہ رویہ ہے جو انسان کو ہوسِ مال اور حرصِ اقتدار کی راہ سجھاتا ہے اور اسے ظلم و تعدی پر آمادہ کرتا ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

واتقوا الشح فان الشح یھلک من کان قبلکم، حملھم علیٰ ان سفکوا دمائھم واستحلوا محارمھم (مسلم)

(ترجمہ) شح سے بچو، پس بے شک شح نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا، انہیں خون بہانے اور عزتیں پامال کرنے پر برانگیختہ کیا۔

شح کے اس مختصر تجزیہ سے واضح ہوتا ہے کہ آج ترقی یافتہ اور مہذب کہلانے والے انسانی معاشروں میں اپنی دولت و ثروت بڑھانے کے لئے جاری رسہ کشی اور مکروہ اقدامات کے پیچھے یہی جذبہ کارفرما ہے، مثلاً:

۱۔ شح کی باطنی بیماری کے بسبب تجارت کے نام پر سٹہ، لاٹری، قمار اور غرر کی گرم بازاری ہے اور اس عنوان سے بے تحاشا دولت لوٹی جا رہی ہے۔

۲۔ هل من مزید کے اس نظریے نے سود کی مختلف شکلوں کو رواج دے کر اللہ و رسول سے اعلانیہ جنگ کے دروازے کھولے ہیں۔ سود کا ایک ذرہ کھانا اپنی ماں کے ساتھ چھتیس مرتبہ بدکاری سے بدتر بتلایا گیا، اور اس میں ملوث ہر فرد پر لعنت کی گئی ہے۔

۳۔ زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی سوچ نے محض مالی نفع کے لئے نشہ آور، مضرِ صحت اور مخربِ اخلاق چیزوں کے وسیع پیمانے پر کاروبار بلکہ مالی وسائل میں اضافے کے لئے عزت و آبرو تک کی سودے بازی کو جواز بخشا ہے۔ رویہ شح کے حاملین نے انسان کو تمام خدائی اور اخلاقی پابندیوں سے بغاوت پر آمادہ کر کے اسے یہ راستہ سجھایا ہے کہ وہ معاشرے کا ترقی یافتہ اور کامیاب فرد تبھی کہلا سکتا ہے جب مالی وسائل میں اضافہ کرے چاہے یہ سینما کھول کر ممکن ہو، نیم برہنگی کے ساتھ فلمیں بنانے، طوائف بننے یا ہیروئن اور شراب کا کاروبار کر کے ممکن ہو، بس مقصد یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ مال بٹورا جائے۔

۴۔ آج عالمی سطح پر احتکار و ادخار (ذخیرہ اندوزی) کے ذریعے پیدا کردہ مصنوعی بحران بھی اس رویے کا نتیجہ ہیں۔ دنیا کی بڑی آبادی پانی کو ترس رہی ہے لیکن منرل واٹر کی لاکھوں بوتلیں اس لیے سمندر برد ہو رہی ہیں کہ ان کی مارکیٹ ویلیو میں کمی نہ آئے اور ان کی طلب، ہر حال میں رسد سے زیادہ رہے۔ بچے بنیادی خوراک اور دودھ کی کمی کے باعث مر رہے ہیں جبکہ نیسلے کے خوراک کی پیکٹس اور دودھ کے ڈبے سمندری آلودگی کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ یہ شح کے رویے کے مظاہر ہیں جس نے انسان کو حیوانوں سے بدتر بنا دیا ہے۔

۵۔ صحت و تعلیم جیسی بنیادی ضروریات کو بھی اس رویے کے حاملین نے نفع بخش صنعت کی شکل دے دی ہے اور ان پر مال بٹورنے کی روش اب کوئی عیب نہیں بلکہ بہت بڑا کمال اور معاشرے پر احسان تصور ہوتا ہے۔

۶۔ ان تمام مفاسد سے بڑھ کر کمزور اور ترقی پذیر ملکوں کے وسائل لوٹنے اور ہتھیانے کے لئے بدامنی کی خاکہ سازیاں، لوگوں کے معاشی استیصال پر مبنی نظاموں کی تشکیل، ان پر جنگوں کی تسلیط اور معاشی پابندیاں اسی رویے کے نمو اور ارتقا کے مظاہر ہیں۔ جن سے خطۂ ارضی کا امن و سکون تباہ اور انسانی معاشرہ اپنے بگاڑ کی انتہائی حدوں کو چھو رہا ہے۔

اسراف وتبذیر

معاشرے کے بگاڑ میں اسراف وتبذیر کا کردار بھی کچھ کم نہیں، جب شح کے رویے نے انسان کو زیادہ سے زیادہ مالی وسائل کی بڑھوتری کے لئے ہمہ قسم بندشوں سے آزاد کردیا تو اس رویے کے حاملین نے انسان کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لیے اپنی مصنوعات کو دنیا میں اس انداز سے پھیلایا کہ ان کی موجودگی میں کسی اور کو پنپنے کا موقع نہ مل سکے اور لوگ انہی سے مال خریدنے پر مجبور ہوں۔ دوسری طرف انہوں نے انسان کی فطری کمزوری یعنی خواہشِ نفس کو ابھارنے کی اشتہار بازی کے ذریعے پوری منصوبہ بندی کی اور اس کی فکر وسوچ کو اس سطح پر لایا کہ وہ روزمرہ ضروریات کی تکمیل کے لیے ضرورت کی بجائے سہولت وآسائش بلکہ اس سے آگے بڑھ کر نمائش اور تعیش کو ترجیح دے جیسا کہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کا طرزِ عمل سب کے سامنے ہے۔اس سے ہماری ثقافت اور کلچر میں بنیادی تبدیلیاں آئی ہیں۔ پہلے لوگ موچی سے جوتے بنواتے تھے جو سال ہا سال استعمال ہوتے تھے، اب ملٹی نیشنل کمپنیوں کے مہنگے، نمائشی، بنے بنائے جوتوں کا رواج ہو چلا ہے، جن کی مضبوطی ہاتھ سے بنائے ہوئے جوتوں سے کم ہے، مزید یہ کہ ہر مہینے نیا ڈیزائن آرہا ہے اور انسانی فطرت اور خواہشِ نفس قناعت کو پرے پھینک کر کُلُ جَدِیدٍ لَذِیذٌ (ہر نئی چیز لذیذ ہوتی ہے) کے تحت اسے حاصل کرنے کے لیے بے چین ہوتی ہے۔ ہماری ثقافت سے درزی ختم ہوتا جارہا ہے اور ان کمپنیوں کے ریڈی میڈ لباس نے انسان کو خواہش کا پجاری اور تن آسان بنادیا ہے۔ کبھی گوالا بھی ہماری ثقافت کا حصہ تھا، اب شہروں میں تو وہ ڈھونڈے سے نہیں ملتا، ملٹی نیشنل کمپنیوں کا بدذائقہ اور مضرِ صحت دودھ بڑے شوق سے خریدا اور استعمال کیا جارہا ہے۔ان دودھوں میں سے اکثر سرے سے دودھ ہی نہیں بلکہ مختلف کیمیکل چیزوں کا مجموعہ ہیں۔ ہماری ذہنی پستی کا اندازہ لگائیں کہ قدرتی دودھ کو جراثیم زدہ اور کیمیکل سے آلودہ ڈبوں کو آبِ حیات باور کرایا جارہا ہے۔

اب وہ دور گیا کہ گھر کی خواتین بیٹھ کر اونی دھاگوں سے سویٹر بن لیں، یا مرچیں کوٹ کر دیسی مصالحہ بنالیں، اب تو ملٹی نیشنل کمپنیوں کا راج ہے اور یہ ساری چیزیں انتہائی ناقص، ہم سے دس گنا زیادہ قیمت وصول کر کے صرف چمکیلی پیکنگ میں ہمیں دے دی جاتی ہیں۔ یہ رویۂ شح کے حاملین کا وہ گھناؤنا

وار ہے کہ مال ہتھیانے کے واسطے اسراف وتبذیر اور عدم قناعت کے کلچر کو فروغ دیا جائے۔ آج معاشرے کو غربت کے جس عفریت نے گھیر رکھا ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عام آدمی کو اشیائے ضرورت اصل قیمت پر مہیا نہیں اور وہ نمائش کے جملہ اخراجات برداشت کر کے ہی اسے حاصل کر سکتا ہے حتیٰ کہ صابن کی ٹکیہ خریدنے والے پر بھی اس کی عمدہ اور مہنگی پیکنگ، لاکھوں کے اشتہارات اور اس کی نمائش کرنے والی ماڈل گرلز کی فیسوں کا بوجھ آ پڑتا ہے اور اس جرعہ زہر آب (زہر کے گھونٹ) کے بغیر وہ ضرورت کی تکمیل نہیں کر پاتا۔ یہی حال تقریباً ساری ملکی وغیر ملکی مصنوعات کا ہے۔

اسلام نے تکمیل ضرورت میں ''نمائش'' کے درجہ کو اسراف کہا ہے اور اس سے بچنے کی تلقین کی ہے کیونکہ اس کی کوکھ سے وسیع پیمانے پر غربت جنم لیتی ہے۔ اسراف کا ایک بڑا درجہ یہ بھی ہے کہ ضرورت سے زیادہ چیزیں بلا مصرف ضائع کر دی جائیں۔ آج گھروں اور ہوٹلوں میں روٹی سالن کے ضیاع سے لے کر عالمی سطح تک قیمتی چیزوں کی پامالی فیشن کی شکل اختیار کر چکی ہے اور اس روگ سے کوئی خال خال ہی بچا ہوا نظر آتا ہے۔

اسراف سے بڑھ کر خطرناک رویہ ''تبذیر'' ہے۔ تبذیر، بذر سے ماخوذ ہے، اس کا معنیٰ تخم ریزی کا آتا ہے، کسان جس طرح تخم ریزی کرتے وقت اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ دانہ کھیت میں کہاں گر رہا ہے، اسی طرح ''مبذر'' بھی مال کے خرچ کرنے میں اس شعور سے عاری ہوتا ہے کہ میرے مال کا مصرف حلال ہے یا حرام۔ قرآن مجید نے اس رویے کا نقشہ کھینچتے ہوئے مبذرین کو ''اخوان الشیاطین'' کا لقب دیا ہے، چونکہ شیطانی قویٰ شر و برائی کا سر چشمہ ہوتی ہیں اس لیے تبذیری رویہ بھی انسان کو اپنے مالی وسائل ناجائز خواہشات کی تکمیل اور غیر قانونی اعمال وافعال پر صرف کرواتا ہے۔

معاشرے میں بخل وشح اور اسراف وتبذیر کی اجتماعی ارتقا سے تقسیم دولت کی ناہمواری، غربت، چوری، ڈاکہ زنی، جوابازی، کرپشن، رشوت خوری، خودکشی، قتل وغارت گری اور بدامنی جیسے مہلک عناصر کو بڑی تیزی سے تقویت ملی ہے اور نجی سطح سے لے کر عالمی سطح تک کے معاشرتی فسادات میں ان رویوں کا بنیادی کردار ہے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان رویوں اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والے فسادات کا حل یہی ہے کہ تیسرے رویہ ''اقتصاد و انفاق فی سبیل اللّٰہ'' کو رواج دیا جائے

اوراس سے معاشرتی فلاح و بہبود میں کام لیا جائے۔

اقتصاد اور معاشرے پر اس کے اثرات

اقتصاد سے ہماری مراد اسلام کا معاشی عدل واعتدال ہے، جس کی طرف حضورِاقدس ﷺ کے اس ارشادگرامی سے رہنمائی ملتی ہے:

الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة.(مشکوٰۃ) (خرچ میں میانہ روی آدھی معیشت ہے)

اقتصاد کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی ضروریات کی تکمیل کا دائرہ اتنا ہی رکھے جتنے اس کے مالی وسائل ہیں اور مالی وسائل کی بہتات کی صورت میں وہ ضرورت پوری کرنے میں سہولت اور آسائش کے درجے سے آگے نہ بڑھے۔کسب میں افراط سے بچے اور تمام خدائی و اخلاقی پابندیوں کا پاس رکھے۔کسی حلال روزگار سے نہ کترائے،آج ہماری ایک بڑی نسل معاشرے پر اس لیے معاشی بوجھ ہے کہ انہوں نے زندگی گزارنے کا ایک معیار طے کرلیا ہے۔اگر اس معیار کی نوکری اور معاشی وسائل انہیں دستیاب نہ ہوں تو وہ عضو معطل ہی بنے رہتے ہیں حالانکہ وہ معمولی تجارت،کھیتی باڑی اور عام ذرائع روزگار اختیار کر کے اپنے پاؤں پر کھڑے ہوسکتے ہیں۔دورِنبویؐ اور دورِصحابہؓ میں نوجوان جانور پالتے، تجارت اور کھیتی باڑی کرتے، جنگل سے لکڑیاں لا کر بیچتے اور خواتین چرخہ کاتتیں۔یہی طرز بعد کی خلافتوں میں رہا۔اسراف وتبذیر کی روش اسلامی معاشرے میں عیب اور چھچھورپن کی علامت تھی اور اسے خودسر امراء اور بادشاہوں کا وطیرہ سمجھا جاتا۔اگر آج بھی مسلم معاشرہ"اقتصاد" کے گراں قدر وصف سے کام لیتا ہے تو معاشرے میں عوامی سطح پر اسراف وتبذیر اور ان کے مہلکات پر کسی قدر قابو پایا جاسکتا ہے اور غربت ومعاشی ناہمواری کا بھی تدارک ہوسکتا ہے۔اس سلسلے میں معاشرے کا مالدار طبقہ انفاق فی سبیل اللہ سے کام لے کر غربا ومساکین کو اس سطح پر لائیں کہ وہ معاشرے پر"معاشی بوجھ" کے دائرے سے نکلیں۔لیکن یہ بات پیشِ نظر رہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے بل بوتے پر ملٹی نیشنل کمپنیوں کی مصنوعات کا جو جال بچھا ہے اس نے دیسی ساختہ اشیاء اور عام پیشوں کو نابود کردیا ہے اس لیے عوامی سطح پر خوداعتمادی اور خودانحصاری کے شعور کو جلا بخشنے کی ضرورت ہے اور ان کے بائیکاٹ اور اپنی مصنوعات کو فروغ دینا ہے، تاکہ"اقتصاد" کے ثمرات کا حصول پوری طرح ممکن ہوسکے۔ (جاری ہے)

نمازیں

(قسط۔۶)

(قاضی فضل واحد صاحب)

نفل نمازوں کا بیان

اشراق

اشراق اسے کہتے ہیں کہ صبح کی نماز کے بعد اسی جگہ قرآن شریف یا کوئی ذکر، وظیفہ پڑھتے ہیں اور جب سورج سوا نیزے کی مقدار اونچا ہو جائے، یعنی دس پندرہ منٹ بعد از طلوع، تب دو، چار یا چھ رکعت اشراق کی نیت سے پڑھ لیں۔(تعلیمات اسلام)

شروع دن میں پڑھنا افضل ہے۔(نماز سے متعلق سو اہم مسائل مفتی محمد ابراہیم)

اگر کوئی شخص فجر کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکل جائے اور اپنے کاموں میں مشغول ہو جائے اور اشراق کا وقت شروع ہونے کے بعد کسی بھی جگہ نماز اشراق پڑھ لے تو یہ بھی درست ہے لیکن اس صورت میں ثواب کم ملے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشراق کی چار رکعات ادا فرماتے اور جتنی توفیق ہوتی زیادہ بھی پڑھتے۔(مسلم جلد ا بحوالہ مجموعہ نفلی عبادات)

فضائل نماز اشراق:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص فجر کی نماز باجماعت ادا کرے پھر سورج طلوع ہونے تک بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتا رہے، پھر دو رکعتیں نفل پڑھے تو اسے حج اور عمرے کا ثواب ملتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا کامل حج اور عمرہ، کامل حج اور عمرہ، کامل حج اور عمرہ۔(ترمذی ج ا ص ۱۳۰/مختصر الترھیب ابن حجر عسقلانیؒ ص/۵۰)

حضرت معاذ ابن انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص فجر کی نماز سے فارغ ہو کر اسی جگہ بیٹھا رہتا ہے، خیر کے سوا کوئی بات نہیں کرتا، پھر دو رکعت اشراق کی نماز پڑھتا ہے، اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اگر چہ وہ سمندر کے جھاگ سے بھی زیادہ ہوں۔

(ابوداؤد ج ا ص ۱۸۹)

حضرت نعیم بن ہمارؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ آدم کے بیٹے! دن کے شروع میں چار رکعت پڑھنے سے عاجز نہ بنو۔ میں تمہارے دن بھر کے کام بنا دوں گا۔

(ترمذی ج ا ص ۱۰۸، ابوداؤد ج ا ص ۱۹۰ بحوالہ مجموعہ نفلی عبادات)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے صبح کی نماز پڑھی، پھر سورج طلوع ہونے تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہا، پھر اس نے دو رکعت یا چار رکعت پڑھیں تو اس کی کھال (یعنی جسم) کو جہنم کی آگ نہ چھوئے گی۔ (الترغیب والترہیب بحوالہ نماز کی مکمل کتاب)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص نماز فجر جماعت سے پڑھ کر اسی طرح بیٹھا رہا، دنیا کی کوئی بات یا کام نہ کیا اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہا، پھر طلوع آفتاب کے بعد چار رکعت نماز پڑھی تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جس طرح وہ پیدا ہونے کے وقت گناہوں سے پاک تھا۔ (الترغیب والترہیب بحوالہ نماز کی مکمل کتاب)

نمازِ چاشت

چاشت اس نماز کو کہتے ہیں کہ جب سورج کچھ زیادہ اونچا ہو جائے تب چاشت کی نیت سے کم از کم دو چار رکعت پڑھ لیں۔

اگر فرصت نہ ہو تو اشراق کے ساتھ چاشت پڑھ لے تب بھی چاشت کی نماز ہو جائے گی ان نمازوں کا بڑا ثواب ہے ایک عمرہ اور حج کا ثواب ملتا ہے۔ (تعلیمات اسلام)

تعداد رکعات:

کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ ۱۲ رکعات ہیں۔ (بحوالہ نماز کی مکمل کتاب مولانا عبدالمعبود)

حضرت اُم سُلَیمؓ بیان کرتی ہے کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم ﷺ ان کے گھر میں داخل ہوئے اور آپ ﷺ نے آٹھ رکعات نماز چاشت ادا فرمائیں۔ (مسلم جلد ا صفحہ ۲۴۹ بحوالہ نفلی عبادات)

وقت چاشت:

چاشت کا وقت اشراق پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ جو نصف النہار تک رہتا ہے۔ مگر اس کا افضل وقت دن کا چوتھائی حصہ گزرنے کے بعد ہے۔ (نماز کے متعلق سو مسائل)

فضائل نماز چاشت:

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کے ذمے اس کے جسم کے ہر جوڑ کی سلامتی کے شکرانے کے طور پر روزانہ صبح صدقہ ہے۔ ہر دفعہ سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، ہر دفعہ الحمد للہ کہنا صدقہ ہے، ہر دفعہ لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، ہر دفعہ اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے۔ اور نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے اور چاشت کے وقت دو رکعتیں پڑھنا ہر جوڑ کے شکر کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ (مسلم جلد ا صفحہ ۲۵)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص چاشت کی بارہ رکعتیں پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں سونے کا محل بنائیں گے۔ (ترمذی جلد ا صفحہ ۱۰۸)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص چاشت کی دو رکعت پڑھنے کی پابندی کرتا ہے اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ اگر چہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ (ترمذی جلد ا صفحہ ۱۰۸)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ آٹھ رکعات نماز چاشت پڑھتی تھیں اور پھر فرماتی تھیں

کہ اگر میرے ماں باپ بھی میرے لئے زندہ کردیے جائیں تو بھی میں اس نماز کو نہ چھوڑوں گی۔
(موطاء امام مالکؒ بحوالہ نماز کی مکمل کتاب)

امام الہند شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ دن کا پہلا حصہ رزق کی تلاش کا وقت ہوتا ہے تو اس وقت چاشت کی نماز مقرر کرنا غفلت کے زہر کا تریاق ہے۔ اور یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح نبی ﷺ نے بازار میں داخل ہونے والے کے لئے یہ ذکر (لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہٗ، لہُ الملک ولہُ الحمد یحیی ویمیت وھو حی لا یموت بیدہ الخیر وھو علٰی کل شی قدیر) مقرر کیا ہے تاکہ غفلت کا شکار نہ ہو۔ (حجۃ اللہ البالغہ بحوالہ نماز کی مکمل کتاب)

زوال کی نماز

سورج ڈھلنے کے فوراً بعد چار رکعت نفل نماز، زوال کی نماز کہلاتی ہے۔

زوال کی سنت: زوال کے بعد چار رکعت نفل سنت ہے۔ ان کو سنن زوال کہتے ہیں۔ اس کا بڑا ثواب ہے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ماہنامہ النصیحہ)

اس کے بعد ظہر کی نماز کیلئے تیاری شروع کریں۔
(بحوالہ ماہنامہ النصیحہ اکتوبر ۱۹۹۹ء مفتی عبداللہ شاہؒ)

وظائف النبی میں لکھا ہے کہ پیغمبر ﷺ ابتدائے نبوت سے آخر عمر تک یہ چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھا کرتے تھے اور قرأت اس میں لمبی پڑھا کرتے تھے۔
(بحوالہ مالابدمنہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ)

زوال کا وقت ختم ہونے پر ظہر کی چار رکعت سنت مؤکدہ سے پہلے چار رکعت صلوٰۃ الزوال پڑھ لینی چاہیۓ۔ (بحوالہ مجموعہ نفلی عبادات)

اس نماز کا بڑا اجر ہے اور حضور ﷺ کا پابندی سے یہ نماز پڑھنا ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ جب سورج ڈھل جاتا تو آپ ﷺ ہمیشہ چار رکعت نوافل ادا فرماتے حضرت ابوایوب انصاریؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ سورج ڈھلنے کے

بعد ہمیشہ چار رکعت پابندی کے ساتھ ادا فرماتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سورج ڈھلنے کے بعد رحمت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور اس وقت تک بند نہیں کیے جاتے جب تک ظہر کی نماز نہ پڑھ لی جائے تو میں پسند کرتا ہوں اس بات کو کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں میرا نیک عمل اُوپر جائے۔ (جامع ترمذی بحوالہ نماز کی سب سے بڑی کتاب نیز بحوالہ نماز کی مکمل کتاب)

فائدہ: بعض فقہاء نے مذکورہ دونوں حدیثوں کو ظہر کی چار رکعت سنت مؤکدہ کا مستدل قرار دیا ہے اور بعض نے اس کے علاوہ چار رکعت (صلوٰۃ الزوال) پر ثبوت پیش کیا ہے۔

(اعلاء السنن ج ۷ ص ۳۶ بحوالہ مجموعہ نفلی عبادات)

فضائل: حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زوال کے بعد ظہر سے پہلے کی چار رکعات تہجد کی نماز کے برابر شمار کی گئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُہٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰہِ وَھُمْ دٰخِرُوْنَ (النحل:۴۸) (ترمذی بحوالہ مجموعہ عبادات)

اوابین

مغرب کے فرض اور سنتوں کے بعد جو نوافل پڑھے جاتے ہیں۔ انہیں اوابین کہتے ہیں۔

(محاسن اسلام فروری ۲۰۰۳ء)

تعداد رکعات: کم از کم چھ اور زیادہ سے زیادہ بیس۔ (بہشتی زیور، مجموعہ نفلی عبادات)

بعض فقہاء نے دو رکعت سنت مؤکدہ کو شامل کر کے چھ رکعات شمار کی ہیں۔ (مجموعہ نفلی عبادات)

وقت: مغرب کی نماز پڑھ کر عشاء کے وقت تک پڑھی جائے۔ (ابن ابی شیبہ بحوالہ نماز کی مکمل کتاب)

افضل وقت: البتہ نماز مغرب سے متصلاً اس کا پڑھنا افضل ہے۔

نمازِ اوابین کی فضیلت:

مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعات نماز تین سلام کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ اسے نماز اوابین کہتے ہیں۔ اس نماز کی بہت اہمیت ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مغرب کی نماز پڑھ کر چھ رکعات نفل اس طرح پڑھے کہ ان کے درمیان کوئی فحش گفتگو نہ کرے تو ان چھ رکعتوں کا ثواب اس کے لئے بارہ سال کی عبادت کے ثواب کے برابر ہو جائے گا۔ (رواہ السیوطی فی الجامع بحوالہ فضائل مفت صلاۃ مفتی امیر حسین قاسمیؒ)

حضرت عمار بن یاسرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ مغرب کے چھ رکعات پڑھتے تھے۔ نیز انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے محبوب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتا ہے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگر چہ وہ گناہ سمندر کی جھاگ کے مانند ہوں۔ حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص مغرب کے بعد بیس رکعات پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے۔

(ترمذی بحوالہ مجموعہ نفلی عبادات)

تہجد

فضائل نمازِ تہجد

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں جب کوئی شخص خواب دیکھتا تھا تو حضور ﷺ سے بیان کرتا میری خواہش تھی کہ اگر میں کوئی خواب دیکھوں تو حضور ﷺ سے کہوں۔ میں نوجوان لڑکا تھا اور میرا سونا بھی مسجد میں ہوتا تھا۔ میں نے ایک دفعہ خواب دیکھا کہ دو فرشتوں نے مجھے پکڑا اور مجھے جہنم کی طرف لے جانے لگے اور کنویں کی طرح اس کے اردگرد دیوار بنی ہوئی تھی اور اس کے دونوں طرف دو منارے تھے اور میں نے جہنم میں ایسے لوگوں کو دیکھا جن کو میں پہچانتا تھا۔ میں نے پکارنا شروع کیا کہ میں جہنم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا

ہوں پھر میرے سامنے اور فرشتہ آیا اس نے کہا مت خوف کر۔ میں نے یہ خواب اپنی بہن ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا کو بیان کیا اور انہوں نے حضور ﷺ کو سنایا آپ ﷺ نے سن کر فرمایا کہ عبداللہ بہت اچھا آدمی ہے کاش تہجد کی نماز پڑھتا اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ پابندی سے تہجد پڑھتے اور رات کو کم سوتے تھے۔ (بخاری)

فائدہ: اس حدیث سے چند فوائد معلوم ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ حضرت عبداللہؓ چونکہ صالح اور نیک تھے اس لئے وہ جہنم سے بچ گئے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز تہجد پڑھنا ایسا عمل ہے جو جہنم سے بچنے کا بہت قوی ذریعہ ہے اور اس حدیث کو ذکر کرنے کی غرض بھی یہی ہے۔

تہجد کا وقت:

ایک شخص نے حضور ﷺ سے پوچھا سب سے زیادہ کونسی دعا قبول ہوتی ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا پچھلی رات کی اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا۔ اس طرح کی ایک روایت ابن ابی الدنیا نے بھی روایت کی ہے۔

جوف اللیل سے بعض علماء کے نزدیک نصف شب مراد ہے بعض کے نزدیک رات کا آخری ثلث اور بعض کہتے ہیں آخری سدس۔ (چھٹا حصہ)

نماز تہجد کا وقت عشاء کی نماز کے بعد ہے سنت یہ ہے کہ عشاء کی نماز پڑھ کر سوئے اس کے بعد اٹھ کر نماز تہجد پڑھے۔ (شامی بحوالہ تحفۂ علم وحکمت)

نماز تہجد کا افضل وقت: نماز تہجد کا وقت عشاء کے بعد سے صبح صادق تک ہے۔ بہتر یہ ہے کہ رات کے درمیانی حصے میں یا اخیر حصے میں پڑھی جائے اگر کسی کو ہمت ہو تو اسے چاہیئے کہ رات کا پہلا نصف حصہ نیند کیلئے مختص کردے اور دوسرا حصہ عبادت میں مشغول رہے۔ روایات میں اس کی بہت فضیلت آئی ہے۔

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ رات کا کونسا حصہ افضل ہے تو

آپ ﷺ نے فرمایا: رات کا دوسرا نصف حصہ۔ بعض روایات سے رات کے درمیانی حصے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ سے کسی نے سوال کیا کہ رات کے اوقات میں کونسا وقت ایسا ہے جس میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (جوف اللیل) رات کا درمیانی حصہ۔ (بحوالہ مجموعہ نفلی عبادات)

رسول اللہ ﷺ کی تہجد کی تفصیلات

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز گیارہ رکعت پڑھتے تھے اور ان رکعتوں میں سجدہ اس قدر لمبا فرماتے کہ جتنی دیر پچاس آیتوں کے پڑھنے میں لگتی ہے۔ (بخاری)

فائدہ: اس حدیث میں جو تہجد کی گیارہ رکعت آئی ہیں تو آٹھ رکعت تہجد کی اور تین رکعت وتروں کی ہیں۔ عام طور پر حضور ﷺ کا معمول تہجد کے وقت آٹھ نفل پڑھنے کا تھا کبھی اس سے زائد بھی پڑھ لیتے اور کبھی تکلیف اور کمزوری کی وجہ سے اس سے کم بھی پڑھتے تھے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ ﷺ تہجد کی رکعتوں میں بہت طویل سجدہ فرماتے تا کہ حق تعالیٰ کے حضور میں اپنی عاجزی اور تضرع کا اظہار کر سکیں۔

(بحوالہ ماہنامہ محاسن اسلام اکتوبر ۱۹۹۹)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو نماز تہجد کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو پہلے ہلکی ہلکی دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: بعض شارحین نے لکھا ہے کہ ایسا غالباً اس لئے کرتے تھے کہ پہلے ہلکی دو رکعتیں پڑھتے طبیعت میں نشاط پیدا ہو جائے تو اس کے بعد طویل قرأت کے ساتھ نماز پڑھیں۔ واللہ اعلم۔

صحیح مسلم ہی میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ:

اذا قام احد کم من اللیل فلیفتتح الصلوٰة بر کعتین خفیفتین.

جب تم میں سے کوئی رات کو نماز کے لئے اٹھے تو پہلے ہلکی ہلکی دو رکعتیں پڑھ کر نماز شروع کرے۔

قرآن مجید میں ایک موقع پر آیت وَمِنَ الَّيۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنۡ يَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا (سورہ بنی اسرائیل: ۷۹) کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو تہجد کا حکم دینے کے ساتھ آپ ﷺ کو مقام محمود کی امید دلائی گئی ہے۔

مقام محمود عالم آخرت میں اور جنت میں بلند ترین مقام ہوگا۔اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مقام محمود اور نماز تہجد میں کوئی خاص نسبت اور تعلق ہے، اس لئے جو امتی نماز تہجد سے شغف رکھیں گے انشاءاللہ مقام محمود میں کسی درجہ کی حضور ﷺ کی رفاقت ان کو بھی نصیب ہوگی۔

(بحوالہ معارف الحدیث)

مسائل نمازِ تہجد

مسئلہ: تہجد کی نماز پڑھنا مستحب ہے مگر قاضی ثناءاللہ نے سنت مؤکدہ لکھا ہے۔

مسئلہ: فقہاء نے عام طور سے لکھا ہے کہ تہجد کی کم از کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعتیں ہیں۔مگر بعض روایات میں بارہ رکعات بھی وارد ہیں۔

مسئلہ: جو شخص تہجد پڑھنے کا عادی ہو اس کو بلا عذر ترک کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ: مفتیٰ بہ قول کے مطابق دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے۔

مسئلہ: ثلث اخیر میں نماز تہجد زیادہ افضل ہے۔(بحوالہ فضائلِ تہجد مظفر حسین غفرلہٗ مظاہری)

نمازِ تہجد کی قضاء

رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کسی تکلیف وغیرہ سے چھوٹ جاتی، تو آپ ﷺ دن کے وقت بارہ رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔(مسلم، ریاض الصالحین)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی کے شب کا وظیفہ یا معمول ناغہ ہو جائے اور وہ فجر و ظہر کے درمیان اسے پورا کرے تو وہ ایسا ہے گویا اس نے شب ہی کو ادا کیا۔(صحیح مسلم) (باقی صفحہ ۵ پر)

بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخلہ اور

تصویر والوں کا بُرا انجام

(فضائل اعمال از شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے حضور ﷺ سے سنا کہ قیامت کے دن سارے آدمی ایک جگہ جمع ہوں گے اور فرشتہ جو بھی آواز دے گا سب کو سنائی دے گی۔ اس وقت اعلان ہوگا کہاں ہیں وہ لوگ جو راحت اور تکلیف میں ہر حال میں اللہ کی حمد کرتے تھے، یہ سن کر ایک جماعت اُٹھے گی اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جائے گی۔ پھر اعلان ہوگا کہاں ہیں وہ لوگ جو راتوں کو عبادت میں مشغول رہتے تھے اور ان کے پہلو بستروں سے دور رہتے تھے، پھر ایک جماعت اُٹھے گی اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جائے گی۔ پھر اعلان ہوگا کہاں ہیں وہ لوگ جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی تھی، پھر ایک جماعت اُٹھے گی اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جائے گی۔ ایک اور حدیث میں بھی یہی قصہ آیا ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ اعلان ہوگا آج محشر والے دیکھیں گے کہ کریم لوگ کون ہیں اور اعلان ہوگا کہاں ہیں وہ لوگ جن کو تجارتی مشاغل اللہ کے ذکر اور نماز سے نہیں روکتے تھے۔

شیخ نصر رحمۃ اللہ علیہ ثمرقندی نے تنبیہ الغافلین میں بھی یہ حدیث لکھی ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ جب یہ حضرات بغیر حساب کتاب چھوٹ چکیں گے تو جہنم سے ایک (عُنُق) لمبی گردن ظاہر ہوگی جو لوگوں کو پھاندتی ہوئی چلی آئے گی۔ اس میں دو چمکدار آنکھیں ہوں گی اور نہایت فصیح زبان ہوگی، وہ کہے گی کہ میں ہر اُس شخص پر مسلط ہوں جو متکبّر بدمزاج ہو اور مجمع میں سے ایسے لوگوں کو اس طرح چن لے گی جیسا کہ جانور دانا چگتا ہے۔ اُن سب کو چن کر جہنم میں پھینک دے گی۔ اس کے بعد پھر اسی طرح دوبارہ نکلے گی اور کہے گی کہ اب میں ہر اس شخص پر مسلّط ہوں جس نے اللہ کو اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دی۔ ان لوگوں کو بھی جماعت سے چن کر لے جائے گی۔ اس کے بعد سہ بارہ پھر نکلے گی اور تصویر والوں کو چُن کر لے جائے گی۔ اس کے بعد جب یہ تینوں قسم کے آدمی مجمع سے چھٹ جائیں گے تو حساب کتاب شروع ہوگا۔

(بحوالہ: فضائلِ نماز باب اول صفحہ ۳۲۷ مطبوعہ کتب خانہ فیضی لاہور)